اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النسآء:136)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النسآء:136) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ یہ ایک عجیب آیت ہے کیونکہ خطاب بھی ایمان والوں کو ہے یہ تو نہیں کہا یاایھا الذین کفروا اے کافرو! یہ بھی نہیں کہا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا (النسآء:136) اے منافقو! یہ بھی نہیں کہا یاایھا الذین اشرکوا، اے مشرکو! بلکہ فرما رہے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا (النسآء:136) اے ایمان والو! اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النسآء:136) اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ دوسری دفعہ ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ مفسّرین نے اس کی تفسیر لکھی ہے اس کا مطلب ہے اِتَّقُوْا یعنی تم تقویٰ اختیار کرو۔ ایک دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے زبان سے اقرار کرنے والو! اپنے دل سے بھی اس کی تصدیق کر لو۔

اقرار لسانی اور تصدیق قلبی:۔

دل سے تصدیق کرنا ایک بڑا کام ہے

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الٰہ الا لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

کلمہ پڑھ لینے سے کام مکمّل نہیں ہوتا بلکہ کام کی ابتداء ہوتی ہے۔ انسان کلمہ پڑھ کر اسلام کی حدوں میں تو

داخل ہوجاتا ہے۔لیکن ایمان کامل پیدا کرنے کیلئے اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔اس کو کہتے ہیں اقرار باللسان وتصدیق بالقلب۔اور ایمان لانے کے بعد انسان کو انہی دو باتوں کی تلقین کی جاتی ہے۔اقرار باللسان کا درجہ تو انسان کو کلمہ پڑھتے ہی نصیب ہوجاتا ہے۔ہم کلمہ پڑھنے والے جتنے بھی ہیں سب کے سب اقرار باللسان میں سو فیصد شامل ہیں۔لیکن تصدیق بالقلب میں مراتب ہیں جو جتنے نیک اعمال کرتا ہے وہ اس بات کی اتنی ہی تصدیق کرتا ہے لہٰذا جو کامل مومن ہوگا وہ اعمال کے ذریعے اس کی سو فیصد تصدیق کرے گا اس کا کوئی عمل بھی خلاف شرع نہ ہوگا۔

کردار کے غازی بننے کی ضرورت:۔

قول اور فعل دونوں میں فرق ہوتا ہے۔قول سے فعل تک بات پہنچانے کیلئے کچھ کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ زبان سے بات کہہ دینا اور چیز ہے اور عمل سے اس کو ثابت کر دینا اور چیز ہے۔آج یہی چیز تو زیادہ توجہ طلب ہے۔ہم قال کے تو غازی ہیں مگر اعمال میں شکست کھانے والے ہیں

علامہ اقبالؒ نے اپنے بارے میں کہا:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گفتار کا غازی اور چیز ہے اور کردار کا غازی اور چیز ہے۔ بلکہ علامہ اقبال اسی نظم کے مطلع میں مسلمانوں کی حالت زار پر یوں رقمطراز ہیں۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

ایمان کی نشاندہی:۔

دراصل ایمان کی نشاندہی انسان کے اعمال سے ہوتی ہے۔جس قدر اعمال میں پختگی ہوتی ہے اسی قدر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ پھر انسان کا عمل ہی تبلیغ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔اس لئے خاموش تبلیغ جتنی مؤثر ہے اتنی زبانی تبلیغ مؤثر نہیں ہے

معاملات ہوں تو ایسے:۔

آپ حیران ہوں گے کہ دنیا میں پورا ملک دو صحابہ کرامؓ کے دکان بنا لینے سے مسلمان ہو گیا۔ وہ کیسے؟...... دو صحابہ کرامؓ انڈونیشیا میں گئے وہاں جا کر انہوں نے اپنی دکان بنا لی، وہ دن میں پانچ مرتبہ دکان بند بھی کرتے اور جمعہ کے دن چھٹی بھی کرتے۔ جب وہ دکان سے چلے جاتے تو لوگ ان کے انتظار میں کھڑے رہتے اور قطاریں بھی لگی رہتیں لوگ کہتے کہ ہم نے یہاں معاملات کی صفائی دیکھی ہے لہٰذا ہم تو سودا انہی سے لیں گے۔ جب طبیعتیں مانوس ہو گئیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا، بھئی! کیا بات ہے کہ آپ درمیان میں دکان بند کر کے چلے جاتے ہیں اور لوگ پھر بھی آپ سے سودا لینا پسند کرتے ہیں۔ آپ کو دکانداری کے یہ اصول کس نے بتائے ہیں؟

لوگوں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ السّلام نے ہمیں تجارت کے یہ اصول بتائے ہیں۔ جب ان لوگوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی مسلمان بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ ان دو صحابہ کرامؓ کی برکت سے پورے ملک کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ سبحان اللہ

غور کیجئے کہ آج کل تو لوگ تقریروں اور خطبوں سے مسلمان نہیں ہوتے مگر صحابہ کرامؓ کی دکانداری سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ یہ ہوتی ہے قول اور فعل میں مطابقت۔

لمحہ فکریہ:۔

آج جو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ہم ذرا غور کریں کہ کیا ہماری آنکھیں مسلمان بن گئیں؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہیں تو یہ پھر غیر محرم کی طرف نہیں اٹھیں گی۔ اگر غیر محرم کی طرف اٹھ جاتی ہیں تو ابھی مسلمان نہیں بنیں۔ کیا یہ زبان مسلمان بن چکی ہے؟ اگر بن گئی ہے تو اس سے جھوٹ اور غیبت نہیں نکل سکتی اور اگر نکلتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ کیا ہمارے کان مسلمان بن گئے؟ اگر یہ بن چکے ہیں تو پھر اب خلافِ شرع باتیں نہیں سن سکتے۔ اگر سنتے ہیں تو پھر ابھی نہیں بنے۔ کیا ہماری شرمگاہ مسلمان بن چکی ہے؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہے تو پھر اس سے خطا نہیں ہو سکتی۔ اگر خطا ہو جاتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ ہم اپنے ہر ہر عضو کے بارے میں سوچیں کہ ہم نے اپنے کس کس عضو کو مسلمان بنا لیا ہے اگر ہر ہر عضو گناہوں میں لتھڑا ہوا نظر آتا ہے تو سوچیے کہ مسلمانی کس چیز کا نام ہے۔ جب یہ اعضاء انفرادی طور پر ابھی مسلمان نہیں بنے تو ہم اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں کیسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان کا مقام:۔

دل ایمان کا محل ہے جو کہ ایمان سے بھرتا ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے حتیٰ کہ انسان کے پاس اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی دولت اس کا ایمان ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی اتنی قیمت ہے کہ اگر ساری دنیا کافروں سے بھر جائے تو وہ ایک مؤمن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن ایک آدمی ننانوے دفتر گناہوں کے لے کر آئے گا اور اس کے مقابلے میں ایک فرشتے کے پاس ایک چھوٹی سی پرچی ہو گی۔ فرشتہ اس پرچی کو نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا۔ کاغذ کا وہ پرزہ اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں سے بھاری ہو جائے گا۔ وہ پوچھے گا، یا اللہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ رب العزت فرمائے گا

کہ یہ تیرا ایمان ہے، اس ایمان کے مقابلہ میں زمین و آسمان کو رکھ دیا جائے تو بھی ایمان بھاری ہو گا۔ ہمیں بھی یہ چیز اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہمارا ایمان ہماری اصل دولت اور خزانہ ہے۔ کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوتا تو وہ اسے آسانی سے گنوا دیتا ہے۔ مثلاً ڈاکو ڈاکہ ڈال لیتے ہیں اور بندے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

ایک دلچسپ حکایت:۔

شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو میری والدہ نے مجھے سونے کی انگوٹھی بنوا کر دی۔ میں انگوٹھی پہن کر باہر نکلا تو مجھے ایک ٹھگ مل گیا۔ اس کے پاس گڑ کی ڈلی تھی۔ اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ یہ چکھو۔ میں نے گڑ کو چکھا تو میٹھا لگا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اب اپنی انگوٹھی کو چکھو۔ جب میں نے اپنی انگوٹھی کو چکھا تو کچھ لذت محسوس نہ ہوئی۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ یہ بے لذت چیز دے دو اور لذت والی چیز لے لو۔ میں نے اس کی باتوں میں آ کر اسے سونے کی انگوٹھی دے دی اور گڑ کی ڈلی لے لی۔

ایمان اور مشاہدہ میں فرق:۔

یہ عاجز اس بات کو سمجھانے کی خاطر آپ حضرات سے ایک سوال پوچھتا ہے آپ اس کا جواب دیجئے گا۔ کیا آپ حضرات کا ایمان ہے کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے؟ (سامعین نے بیک زبان ہو کر کہا، جی ہاں) سب حضرات فرما رہے ہیں، جی ہاں۔ حالانکہ یہ جواب غلط ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا آپ کا ایمان ہے کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے اور آپ دیکھ کر فرما رہے ہیں، جی ہاں۔ میرے بھائی! دیکھ کر کہنا تو مشاہدہ کہلاتا ہے، لہٰذا یہ ایمان نہیں ہے۔ اگر یہ عاجز یہ سوال کرتا کہ کیا آپ کا ایمان ہے کہ میری جیب میں قلم ہے اور آپ مجھ پر یقین کرتے ہوئے کہ منبر پر بیٹھ کر کیوں جھوٹ بولیں گے تصدیق کر دیتے تو پھر یہ

ایمان ہوتا لہٰذا اب تو یہ مشاہدہ ہے۔ ایمان اور مشاہدہ کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھنا کچھ اور چیز ہے اور بن دیکھے کسی پر اعتماد کر کے کچھ مان لینا اور چیز ہے۔ ایمان یہ ہے کہ ہم نے نبی علیہ الصلوۃ والسّلام پر اعتماد کرتے ہوئے ہر اس چیز کو تسلیم کر لیا جو وہ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے۔ یہ بن دیکھا سودا ہے جب دیکھ لیں گے تو پھر اس کی قیمت نہیں رہے گی۔

ایک سبق آموز حکایت:۔

کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے اس سے آپ کو بات ذرا جلدی سمجھ آ جائے گی۔ ہارون الرشید کے زمانے میں بہلول دانا نامی ایک بزرگ گزرے ہیں وہ مجذوب اور صاحب حال تھے۔ ہارون الرشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون بھی ایک نیک اور پارسا عورت تھی۔ اس نے اپنے محل میں ایک ہزار ایسی خادمائیں رکھی ہوئی تھیں جو قرآن کی حافظہ اور قاریہ تھیں۔ اب سب کی ڈیوٹیاں مختلف شفٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس کے محل میں چوبیس گھنٹے ان بچیوں کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی ہوتی تھی۔ اس کا محل قرآن کا گلشن محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن ہارون الرشید اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا کہ ایک جگہ بہلول داناؒ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا، السّلام علیکم بہلول داناؒ نے جواب میں کہا، وعلیکم السّلام۔ ہارون الرشید نے کہا، بہلول! کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں ریت کے گھر بنا رہا ہوں۔ پوچھا، کس لئے بنا رہے ہو؟ بہلولؒ نے جواب دیا کہ جو آدمی اس کو خریدے گا میں اس کیلئے دعا کروں گا کہ اللہ رب العزت اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے، بادشاہ نے پوچھا، بہلول! اس گھر کی قیمت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دینار۔ ہارون الرشید سمجھا کہ یہ ایک دیوانے کی بڑ ہے لہٰذا وہ آگے چلا گیا۔

اس کے پیچھے زبیدہ خاتون آئیں۔ اس نے بہلولؒ کو سلام کیا۔ پھر پوچھا، بہلول! کیا کر رہے ہو

؟انہوں نے کہا، میں گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کس لئے گھر بنا رہے ہو؟ بہلول نے کہا کہ جو آدمی اس گھر کو خریدے گا میں اس کیلئے دعا کروں گا کہ یا اللہ! اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ اس نے پوچھا، بہلول! اس گھر کی کیا قیمت ہے؟ بہلول نے کہا، ایک دینار۔ زبیدہ خاتون نے ایک دینار نکال کر اس کو دے دیا اور کہا کہ میرے لئے دعا کر دینا۔ وہ دعا کروا کر چلی گئی۔

رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اس نے خواب میں جنت کے مناظر دیکھے۔ آبشاریں، مرغزاریں اور پھل پھول دیکھنے کے علاوہ بڑے اونچے اونچے خوبصورت محلات بھی دیکھے۔ ایک سرخ یاقوت کے بنے ہوئے محل پر اس نے زبیدہ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ ہارون الرشید نے سوچا کہ میں دیکھوں تو سہی کیونکہ یہ میری بیوی کا گھر ہے۔ وہ محل میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی دروازے پر پہنچا تو ایک دربان نے اسے روک لیا۔ ہارون الرشید کہنے لگا، اس پر تو میری بیوی کا نام لکھا ہوا ہے اس لئے میں نے اندر جانا ہے۔ اس نے کہا، نہیں، یہاں کا دستور الگ ہے جس کا نام ہوتا ہے اسی کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے، کسی اور کو اجازت نہیں ہوتی، لہٰذا آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جب دربان نے ہارون الرشید کو پیچھے ہٹایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے بیدار ہونے پر فوراً خیال آیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ بہلول کی دعا زبیدہ کے حق میں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوگئی۔ پھر اسے اپنے آپ پر افسوس ہوا کہ میں بھی اپنے لئے ایک گھر خرید لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ ساری رات اسی افسوس میں کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس نے دل میں سوچا کہ آج پھر میں ضرور دریا کے کنارے جاؤں گا۔ اگر آج مجھے بہلول ملے تو میں بھی ایک مکان ضرور خریدوں گا۔

چنانچہ شام کو پھر بیوی کو لے کر چل پڑا۔ وہ بہلول کو تلاش کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہلول بیٹھا اسی طرح کے مکان بنا رہا تھا۔ اس نے کہا، السّلام علیکم! بہلول نے جواب

میں وعلیکم السّلام کہا۔ ہارون الرشید نے پوچھا، کیا کر رہے ہو؟ بہلول نے کہا، میں گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کس لئے؟ بہلول نے کہا، جو آدمی یہ گھر خریدے گا میں اس کے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے جنت میں گھر عطا کر دے۔ ہارون الرشید نے پوچھا، بہلول! اس کی قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا، اس کی قیمت پوری دنیا کی بادشاہی ہے۔ ہارون الرشید نے کہا، اتنی قیمت تو میں دے بھی نہیں سکتا۔ کل تو ایک دینار کے بدلے دے رہے تھے اور آج پوری دنیا کی بادشاہی مانگتے ہو۔ بہلول نے کہا، بادشاہ سلامت! کل بن دیکھے معاملہ تھا اور آج دیکھا ہوا معاملہ ہے۔ کل بن دیکھا سودا تھا اس لئے سستا مل رہا تھا اور آج چونکہ دیکھ کے آئے ہو اس لئے اب اس کی قیمت زیادہ دینی پڑے گی۔

ہماری مثال ایسے ہی ہے کہ آج ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے اس لئے جنت بڑی سستی ہے۔ لیکن جب موت کے وقت آخرت کی نشانیاں دیکھ لیں گے تو اس کے بعد پھر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ○ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُئْوِيْهِ ○ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ (المعارج: 11-14) روز محشر مجرم یہ تمنا کرے گا کہ کاش! میں اپنی سزا کے بدلے میں اپنا بیٹا دے دیتا، بیوی دے دیتا، خاندان والے دے دیتا، حتیٰ کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب دے دیتا اور میں جہنّم سے بچ جاتا۔ فرمایا، كَلَّا (المعارج: 15) ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

سب سے زیادہ عجیب ایمان:۔

نبی علیہ الصلوۃ والسّلام نے ایک مرتبہ جہاد سے واپس تشریف لاتے ہوئے دریا کے کنارے پر پڑاؤ

ڈالا۔ آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہوئے اور آپ نے اسی وقت تیمّم فرمالیا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام! وہ سامنے پانی ہے۔ فرمایا، ہاں، کیا معلوم کہ یہاں سے وہاں جانے تک میری زندگی ساتھ دے گی یا نہیں دے گی۔ اس لئے میں نے احتیاطاً تیمّم کرلیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے جا کر وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، اے میرے صحابہؓ! یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ عجیب ایمان کن کا ہے؟ صحابہؓ نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! سب سے زیادہ عجیب ایمان فرشتوں کا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، نہیں۔ فرشتے کیسے ایمان نہیں لائیں گے، وہ تو نور سے بنے ہیں، عرش کے اوپر کے جہان کو دیکھتے ہیں اور وہ اللہ کی معصیت کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم : 6) لہٰذا ان کا ایمان تو اتنا عجیب نہیں ہے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! پھر انبیائے کرامؑ کا ایمان بڑا عجیب ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا، نہیں، اس لئے کہ انبیائے کرامؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اترتی ہے انہیں معجزات ملتے ہیں۔ اگر انبیائے کرام ہی ایمان نہیں لائیں گے تو اور کون ایمان لائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ان کا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے تو پھر ہمارا ایمان عجیب ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا، نہیں۔ تمہارا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے کیونکہ تم نے میرا دیدار کیا ہے، تم نے جبرائیلؑ کو اترتے دیکھا ہے اور تمہارے سامنے قرآن آیا ہے، جب تم نے اتنی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا بھی مشاہدہ کرلیا تو پھر

تمہارا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا، میرے صحابہؓ! میرے بعد میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے، وہ میرے پردہ فرما جانے کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوں گے، وہ لوگ ایسے وقت میں آئیں گے جب نہ تو وہ میرا دیدار کریں گے، نہ وہ قرآن کو اترتے دیکھیں گے اور نہ فرشتوں کو اترتے دیکھیں گے، مزید برآں ہر طرف فتنے ہوں گے شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں گے لیکن جب علماء ان کے سامنے میری باتوں کو پیش کریں گے تو وہ میری محبّت میں اس بات کو بن دیکھے مان لیں گے، ان لوگوں کا ایمان اللہ رب العزت کے ہاں بڑا ہی عجیب ہوگا۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: 6)

استقامت کی اہمیت:۔

یقیناً یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے۔ اس مشکوٰۃ نبوت کو فروزاں ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ آج چاروں طرف فتنے ہیں، ظلمت ہے، فساد ہے، ہر طرف لوگ ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور آج سیدھے راستے سے ہٹانے کے لئے لوگ موجود ہیں۔ اس وقت جو ایمان کے اوپر جما رہے وہ اللہ رب العزت کے ہاں بڑا درجے والا ہے۔

زندگی گزارنے کے طریقے:۔

زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ نظر کی زندگی گزارنا، یعنی جو کچھ آنکھ دیکھتی ہے اس کو مان لینا مثلاً آنکھ دیکھتی ہے کہ رشوت لینے میں فائدہ ہے، پیسہ آ رہا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ دھوکہ دے کر مال

کماؤ، منافع زیادہ ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ ملاوٹ کرلیں تو زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ یعنی آنکھ دیکھتی ہے کہ ان کاموں میں زیادہ فائدہ ہے اب جو بندہ اس پر عمل کرے گا وہ گویا مشاہدہ اور نظر کی زندگی گزارنے والا ہوگا اور دوسرا طریقہ ہے خبر کی زندگی گزارنا۔ مثلاً ایک آدمی اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھتا ہے، کہ ملاوٹ کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے اس لئے نقصان کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ رشوت لینا گناہ ہے لہٰذا وہ پیچھے رک جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دھوکہ دے کر مال حاصل کرنا گناہ ہے لہٰذا وہ پھر بھی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس کو ایمان والی زندگی بھی کہتے ہیں۔

بالفاظ دیگر خبر کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو دین ملا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرلیا جائے اور جو آدمی اپنی آنکھ سے دیکھتا پھرتا ہے شرعی یا غیر شرعی ہر طریقے سے فائدے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے وہ نظر کی زندگی گزارنے والا ہے۔ یاد رکھنا کہ ہماری کامیابی خبر کی زندگی گزارنے میں ہے نظر کی زندگی گزارنے میں نہیں ہے۔ مثالوں سے بات واضح کرنے کی کوشش کی۔

پہلی مثال:۔

جادوگروں سے مقابلے کے دوران سیدنا موسیٰؑ کے چاروں طرف سانپ موجود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں فقط عصا ہے۔ اگر ایسی حالت میں عقل سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہئے تو عقل کہے گی کہ اپنی لاٹھی کو مضبوطی سے پکڑیں اور جو سانپ آپ کے قریب آئے یہ لاٹھی اس کے سر پہ ماریں اور اسے کچل کر رکھ دیں۔ اس طرح آپ بچ جائیں گے مگر لاٹھی کو ہاتھ سے مت چھوڑنا، اگر چھوڑ بیٹھے تو امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ اوپر پروردگار سے پوچھیں کہ اس حالت میں مجھے کیا کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے، اے میرے پیارے موسیٰؑ! وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ (القصص:31) آپ اپنے عصا کو زمین

پر ڈال دیجئے۔ اب عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے اور کہتی ہے کہ نہیں نہیں، لاٹھی کو زمین پہ نہ ڈالنا ورنہ تمہاری امید کی آخری کرن بھی ختم ہو جائے گی۔ مگر حضرت موسیٰؑ اللہ رب العزت کے پیغمبر تھے، لہٰذا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا جو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ جیسے ہی حضرت موسیٰؑ نے عصا کو زمین پر ڈالا وہ عصا اژدھا بن گیا اس نے سب سانپوں کو کھا لیا اور اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کامیاب فرما دیا۔

دوسری مثال:۔

حضرت موسیٰؑ کے سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کی فوج ظفر موج ہے۔ جب موسیٰؑ کے صحابہ نے دیکھا تو کہا قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعرآء:61) موسیٰؑ کے صحابہ نے کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (الشعرآء:62) فرمایا ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے۔

اب ایسے موقع پر عقل سے پوچھیں کہ بندے کو کیا کرنا چاہئے۔ عقل کہے گی کہ آگے پانی کا دریا ہے اور پیچھے انسانوں کا دریا ہے اور تم دونوں کے درمیان میں ہو۔ تمہارے ہاتھ میں صرف لاٹھی ہے تم اسے مضبوطی سے پکڑنا اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، ہوسکتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھئے کہ رب کریم! ان حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے میرے پیارے موسیٰؑ!

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (الشعرآء:63) آپ اپنی لاٹھی کو پانی پر ماریئے۔ عقل چیختی ہے چلاتی ہے، شور مچاتی ہے اور کہتی ہے کہ پانی پر لاٹھی مارو گے تو کیا بنے گا، اگر لاٹھی مارنی ہی ہے تو فرعون کے سر پہ مارو، پانی پہ مارنے سے کیا ملے گا؟ مگر حضرت موسیٰؑ نے وہی کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم

تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ نے جب عصا کو پانی پر مارا تو بارہ راستے بن گئے۔ اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرمادیا اور فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق فرمادیا۔

تیسری مثال:۔

جب حضرت موسیٰ ؑ بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے آگے وادیءِ تیہہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کی امت کے لوگ پانی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوئے اور کہنے لگے، حضرت! یہاں تو پانی بھی نہیں ہے، کیا کریں؟ اس موقع پر عقل سے پوچھیں تو عقل کہتی ہے کہ آپ کے پاس اس وقت اور تو کوئی ہتھیار نہیں ہے، صرف ایک لاٹھی ہے لہٰذا آپ اس لاٹھی کی مدد سے ایک گڑھا کھودیں، ہوسکتا ہے کہ اس گڑھے میں سے پانی نکل آئے، لیکن ذرا آہستہ آہستہ احتیاط سے کھودنا تاکہ کہیں لاٹھی ٹوٹ نہ جائے، اگر لاٹھی ٹوٹ گئی تو امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے پوچھئے کہ یا اللہ! اب کیا کرنا چاہیئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے پیارے نبی علیہ السّلام!

اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ (الاعراف:160) آپ پتھر پر لاٹھی ماریئے۔ جب عقل سنتی ہے کہ پتھر پر لاٹھی ماریئے تو عقل پھر حیران ہو کر کہتی ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ پتھر پر ماریں گے تو لاٹھی بھی ٹوٹ جائے گی اور امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السّلام نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ لہٰذا جب پتھر پر مارا تو پتھر میں سے چشمے جاری ہو گئے اور اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرمادیا۔ ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نظر کے راستے پر چلنے والے ناکام ہوتے ہیں جب کہ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں:۔

کفار نظر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں اور مومن مسلمان خبر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں۔اس لئے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیجئے کہ ہم نے دنیا کے فائدوں کو نہیں دیکھنا بلکہ ہم نے اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھنا ہے۔ہمیں جو مرضی سامنے نظر آئے حتیٰ کہ بہت سے فائدے بھی نظر آئیں تو ہم ان کو ٹھوکر لگا کر اللہ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں گے۔

انسان اور آزمائش:۔

اللہ رب العزت کی طرف سے اس دنیا میں ہر انسان پر آزمائشیں آتی ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والوں کو ہمیشہ کامیاب فرما دیتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت:2) کیا انسانوں نے یہ گمان کیا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اگر وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے،اوران کو آزمایا نہیں جائے گا۔وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (العنکبوت:3) تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے والوں کو بھی فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت:3) اور اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کو پہچان کر رہے گا۔لہٰذا انسان یہ گمان نہ کرے کہ ہم ایمان لے آئے اور اب ہمیں آزمایا نہیں جائے گا اور بس اتنی ہی بات کافی ہو جائے گی۔ناں ناں ناں، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمائیں گے،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ:155) ہم ان کو مختلف طریقوں سے آزمائیں گے اور جو ان تمام آزمائشوں میں کامیابی پائیں گے ان کو آپ بشارت سنا دیجئے۔ثابت یہ ہوا کہ اللہ رب العزت بغیر

آزمائے کسی کے ایمان کو قبول نہیں کریں گے۔

ہر حال آزمائش کا حال:۔

اللہ رب العزت ہر انسان کو آزماتے ہیں۔ جس کے پاس پیسہ وافر ہے، پیسہ اس کے لئے آزمائش ہے۔ جو غریب ہے اس کے لئے غربت آزمائش ہے، جس کو صحت ملی ہے اس کے لئے صحت آزمائش ہے، جو بیمار ہے اس کے لئے بیماری آزمائش ہے۔ اللہ رب العزت ہر آدمی کو مختلف حالات میں رکھتے ہیں اور جس حالت میں اس کو رکھا جاتا ہے وہ اس حال میں آزمایا جارہا ہوتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ وہ واقعی دل سے ایمان لانے والوں میں سے ہے یا نہیں۔ جو اچھے حال میں ہو اسے چاہئے کہ شکر ادا کرے جو برے حال میں ہو اسے چاہئے کہ صبر کرے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی ہوگا۔

ادلتے بدلتے دن:۔

اللہ تعالیٰ انسان کو ہمیشہ ایک ہی حال میں نہیں رکھتے بلکہ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

(آل عمران: 140) اور ہم انسانوں کے درمیان دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں۔

آج جس گھر میں خوشیاں منائی جارہی ہوتی ہیں کل اسی گھر میں رونا پیٹنا ہورہا ہوتا ہے۔ جو آج جوانی کے نشے میں مخمور ہوتا ہے کل وہی بستر علالت پر صاحب فراش ہوتا ہے۔

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائیاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

آزمائش میں ڈالنے کا مقصد:۔

یاد رکھنا! آج اگر ہم نے برتن خریدنے ہوں تو ان کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح

ایمان کے معاملے میں بندے کو ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں اور بندے کے ایمان کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ جو کچے یقین والے ہوتے ہیں وہ پیچھے بھاگ جاتے ہیں اور فقط وہی جمے رہتے ہیں جن کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے۔

ایمان کا امتحان:۔

آزمائشیں اللہ والوں پر بھی آیا کرتی ہیں۔ پہلے زمانے میں بھی آزمائشیں تھیں اور آج کے زمانے میں بھی آزمائشیں ہیں۔اوپر سے بارش بند ہے، نیچے سے چشمے بند ہیں اور درختوں پہ پھل نہیں ہیں۔ایسے میں اللہ پہ یقین کیسے رکھنا۔دوسری طرف سے امدادوں کی بھرمار لگی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ جلدی آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دفتر سے نام کٹوا کر ہمارے دفتر میں لکھواؤ۔ایمان کا یہاں پر مظاہرہ کرنا ہے اور کہنا ہے کہ نہیں ہم نے اللہ کو اپنا پروردگار مانا ہے۔اس لئے ہم اپنے ایمان سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے ایمان کا امتحان۔ ہر دور اور ہر زمانے میں امتحان کے مختلف طریقے ہوا کرتے ہیں۔ ایک طرف بھوک پیاس نظر آ رہی ہے اور دوسری طرف مال دنیا دکھایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ آؤ اور ہماری دعوت کو قبول کرلو۔ہم خزانوں کے منہ کھول دیں گے۔اب فیصلہ یہ ہونا ہے کہ یہاں پر اللہ کا بندہ کون ہے اور دنیا کا بندہ کون ہے۔یاد رکھنا کہ ہمارا پروردگار اگر حضرت موسیٰؑ کی امت کو چالیس سال تک بغیر کسی محنت کے من وسلویٰ عطا کرسکتا ہے تو وہ پروردگار ہمیں بھی رزق عطا فرما سکتا ہے۔اس لئے ہم اس کے خزانوں پر یقین رکھتے ہیں اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ یہ ہماری بداعمالیاں ہیں جنہوں نے رزق کے دروازوں کو بند کیا ہوا ہے۔

رزق کے دروازے بند ہونے کی اصل وجہ:۔

انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے۔وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ:124) جو اللہ کی یاد سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:96) اگر یہ بستی دیسوں والے ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المآئدۃ:66) اللہ تعالیٰ ان کو وہ نعمتیں کھلاتا جو اوپر سے اترتی ہیں اور وہ نعمتیں بھی کھلاتا ہے جو پاؤں کے نیچے (زمین) سے نکلتی ہیں۔

آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ہر بندے کو آزمائیں گے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔ہم کمزور ہیں، آزمائش کے قابل نہیں ہیں لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آجائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔پروردگار جو بوجھ سر پر رکھتا ہے پھر اسے اٹھانے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:286) اللہ تعالیٰ کسی کی ہمت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا، یا ہم ایک بچے کے اوپر ایک من کا بوجھ کبھی ڈالیں گے؟ نہیں ڈالیں گے ناں۔بلکہ کسی بچے کو کچھ وزن اٹھوانا بھی ہو تو پہلے دیکھیں گے کہ یہ بچہ اتنا وزن اٹھا بھی سکے گا یا نہیں۔جب ہم جیسے لوگ بھی اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اتنا بوجھ بچے پر ڈالنا مناسب نہیں تو اللہ رب العزت بھی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سر پر بوجھ بعد میں ڈالتے ہیں اور اسے اٹھانے کی ہمت پہلے دے دیتے ہیں۔اس لئے اگر کوئی آزمائش آ بھی جائے تو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیجئے۔اور دل میں کہئے

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے کہ یہ تیری دی ہوئی چیز ہے

اس لئے آزمائش پہ ثابت قدم رہئے۔ یہ امتحان پہلے بھی ہوئے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

سیدنا موسیٰؑ کی والدہ کا ایمان افروز واقعہ:۔

آپ کو ایک ایمان افروز واقعہ سناتا ہوں، اسے توجہ سے سنئے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (القصص:7) اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السّلام کی ماں کو کہ تو اپنے بچے کو دودھ پلاؤ۔ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ (القصص:7) اور آگے فرمایا يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ (طٰہٰ:39) اس کو جو پکڑے گا وہ میرا بھی دشمن ہوگا اور اس کا بھی دشمن ہوگا۔ اور ساتھ تسلّی بھی دیتے ہیں کہ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (القصص:7) حضرت موسیٰؑ کی ماں ایک عورت تھیں۔ وہ ذہن میں سوچ سکتی تھیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے اس کو رسولوں میں سے بنایا ہے تو فرعون کا کوئی فوجی ادھر آ ہی نہ سکے، یا اے اللہ! میں اسے کسی غار میں رکھ آتی ہوں اور ادھر کوئی جا ہی نہ سکے، یا میں اسے گھر کی چھت پر رکھ دیتی ہوں، تاکہ بچہ محفوظ رہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بچے کو پانی میں ڈالنا۔ عقل کہتی ہے کہ پانی میں بچہ ڈوب جائے گا۔ اچھا، اس کو صندوق میں ڈالتی ہوں، صندوق میں ڈالے گی تو اس کے اندر پانی بھر جائے گا، اگر سارے سوراخ بند کریں تو ہوا کے اندر نہ جانے کی وجہ سے آکسیجن نہیں مل سکے گی۔ جس کی وجہ سے بچہ مر جائے گا۔ عقل یہ کہتی ہے کہ یا تو یہ پانی کی وجہ سے مرے گا یا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے مرے گا۔ تیرا بچہ باقی نہیں بچے گا۔ لیکن اس عورت نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کیا اور اپنے جگر گوشہ کو دریا کے اندر ڈال دیا اور واپس آ گئی۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ چار سو غلام اس کے آگے پیچھے اور ارد گرد تھے۔ انہوں نے جب صندوق کو دیکھا تو اٹھا لیا اور فرعون کے سامنے پیش کر دیا۔ جب صندوق کھولا گیا تو اس میں بچے کو پایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ (طٰہٰ: 39) اے پیارے موسیٰ ؑ ہم نے آپ کے چہرے پر محبّت کی تجلّی ڈال دی تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کے چہرۂ اقدس کو زیبائی عطا کر کے ایسا دلکش بنا دیا تھا کہ جو بھی دیکھتا وہ دل دے بیٹھتا۔ چنانچہ جیسے ہی فرعون کی بیوی نے دیکھا تو کہنے لگی،

لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص: 9) تم نے اسے قتل نہیں کرنا، یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں گے۔ بیوی کی بات سن کر فرعون نے سوچا کہ جب ہم اسے بیٹے کی طرح پالیں گے تو پھر یہ تو ہماری حکومت ہم سے نہیں چھینے گا۔ کیونکہ ہمارا ممنونِ احسان ہوگا۔ اس نے کہا ہے ٹھیک ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ اس کی عقل نے اسے دھوکہ دے دیا۔ ہزاروں بچوں کو قتل کروانے والا کتنے آرام سے دھوکہ کھا رہا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی نے جب یہ سنا تو وہ خوش ہوگئی اور کہنے لگی قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ (القصص: 9) کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ فرعون نے اس کے جواب میں کہا قُرَّتُ عَيْنٍ لَكَ یہ تیری آنکھوں کی تو ٹھنڈک ہے لَا حَاجَةَ لِیْ لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب فرعون کی بیوی نے قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ (القصص: 9) کہا تھا اس وقت اگر فرعون بدبخت صرف ہاں کر دیتا تو اس ہاں کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایمان لانے کی توفیق نصیب فرما دیتا۔

چونکہ فرعون کی بیوی (حضرت آسیہؓ) خوش ہوئی تھیں اس لئے فرعون نے اس خوشی کی وجہ سے پر وہاں پر

موجود چار سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ تفسیر میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ ابھی بچپن میں تھے، مگر جب وہاں پہنچے تو چار سو غلاموں کی آزادی کا سبب بن گئے۔ اسی طرح اللہ والے جس آبادی میں چلے جاتے ہیں اس آبادی کے لئے نفس اور شیطان کی غلامی سے آزادی پانے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ ؑ کو محل میں لے جایا گیا تو انہیں دودھ پلانے کے بارے میں فکر ہونے لگی۔ عورتوں نے انہیں دودھ پلانا چاہا مگر انہوں نے دودھ نہ پیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (القصص: 12) اور ہم نے ان پر دوسری عورتوں کا دودھ حرام فرما دیا تھا۔ فرعون بڑا پریشان ہوا کہ بچہ دودھ نہیں پیتا۔ اس نے کہا، کچھ اور عورتوں کو بلاؤ۔ چنانچہ کئی عورتوں کو بلایا گیا۔ لیکن بچے نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ فرعون اور زیادہ پریشان ہوا۔ اسی حال میں رات گزر گئی۔

ادھر حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ بہت ہی زیادہ پریشان حال تھیں۔ دکھ اور غم کے ساتھ صبح کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (القصص: 10) اگر ہم اس کے دل پر گرہ نہ دے دیتے اس کے دل کو سکون نہ دے دیتے تو وہ اپنا راز کھول ہی بیٹھتی۔ یعنی وہ رو پڑتی اور لوگوں کو پتہ چل جاتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو ربط قلوب عطا فرما دیا۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ جاؤ اور اپنے بھائی کا پتہ کر کے آؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ کی بہن بھاگی گئی۔ اس نے فرعون کے محل میں جا کر دیکھا کہ حضرت موسیٰ ؑ گود میں لیٹے ہوئے ہیں، عورتیں ان کو دودھ پلانے کی کوشش کر رہی ہیں اور وہ دودھ نہیں پی رہے اور فرعون بہت پریشان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن نے فرعون سے کہا، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ

وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (القصص:12) کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جو اس بچے کو دودھ پلائیں گے۔ وہ اس کی اچھی پرورش کریں گے اور اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے۔ جب اس نے یہ کہا کہ وہ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے تو فرعون کو بات کھٹک گئی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا، اچھا۔ کیوں خیر خواہ ہوں گے؟ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن تھی اس لئے نہایت سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں، اگر ہم ہی خیر خواہی نہیں کریں گے تو پھر آپ کی خیر خواہی کون کرے گا؟ فرعون کہنے لگا، ہاں بات تو ٹھیک ہے، اچھا، جاؤ جس کو چاہو بلا کر لاؤ۔

حضرت موسیٰؑ کی بہن دوڑتی ہوئی گھر آئی اور کہنے لگی، امی! چلیں، بھائی دودھ نہیں پی رہا۔ چنانچہ آپ کی والدہ آئیں، انہوں نے دودھ پلانا شروع کر دیا اور بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون بہت خوش ہوا کہ چلو پریشانی ختم ہوگئی۔

دو تین دن تو اس نے محل ہی میں دودھ پلایا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر میں جا کر رہوں گی۔ مجھ سے تو محل میں نہیں رہا جاتا۔ فرعون کہنے لگا، اچھا۔ پھر تم اس بچے کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اپنے گھر جا کر تم اس کو دودھ پلاتی رہنا۔ میں نے خزانے سے تمہاری تنخواہ مقرر کر دی ہے۔ لہٰذا میں ہر مہینے تمہاری تنخواہ بھیج دیا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وَلَا تَحْزَنَ اور وہ غمزدہ نہ ہو۔ وَلِتَعْلَمَ اور وہ جان لے اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (القصص:13)

دوگنا انعام:۔

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرح اللہ کے وعدے پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا انعام دیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! دوگنا انعام کیسا؟ فرمایا، حضرت موسیٰؑ کی ماں کو دیکھو کہ وہ اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلاتی تھی اور اسے خزانے سے تنخواہ بھی ملا کرتی تھی۔

ایمان کی حفاظت:۔

ہمیں اللہ رب العزت کی ذات پر مکمّل بھروسہ ہونا چاہئے۔ ہم یوں ہو جائیں جیسے ہمارے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ حتیٰ کہ کوئی ہمیں سولی پر چڑھا دے یا کوئی زندہ حالت میں ہمارے جسم سے کھال اتارنے کی کوشش کرے، ہم پھر بھی دل میں ایمان کو مضبوط رکھیں۔ ہم یہ کہیں کہ تو ہمارے جسم سے جان تو نکال سکتا ہے لیکن ہمارے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتا۔

اللہ والوں کی استقامت:۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں دو مسلمان کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ جب کافر لوگوں نے دیکھا تو انہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ بجائے اس کے کہ آپ ان کو قتل کریں یا کوئی اور سزا دیں۔ آپ ان لوگوں کو اس طرح قائل کریں کہ یہ آپ کے دین کو اختیار کرلیں۔ کیونکہ ان کے چہروں سے ایسی بہادری ٹپکتی ہے کہ آپ کی فوج کے سپہ سالار بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ ہم کسی طرح ان کو اپنے دین کی طرف مائل کرلیں۔ پہلے انہوں نے ان کو لالچ دیئے۔ لیکن جب دیکھا کہ دال نہیں گلتی تو پھر انہیں ڈرایا دھمکایا۔ حتیٰ کہ انہیں یہ کہا گیا کہ ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے، بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے دین کو قبول کرلو۔ لیکن ان کا جواب یہی تھا۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ط اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (طٰہٰ:72) تو جو کر سکتا ہے تو اپنا زور لگا لے۔ جب ان کی طرف سے یہ جواب سنا تو وہ سٹپٹا اٹھے اور پریشان ہوئے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ بالآخر زچ ہو کر انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم ایک جگہ تیل گرم کرتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک کو اس میں ڈالتے ہیں، شاید اس کی وجہ سے دوسرا ڈر جائے اور ہمارے دین کو قبول کر لے۔ چلو دونوں نہیں تو ان میں سے ایک تو ہاتھ آ ہی جائے گا۔ چنانچہ تیل گرم کیا گیا اور ان دونوں کو اس کے پاس بٹھا کر ڈرایا گیا کہ اگر تم ہماری بات کو قبول نہیں کرتے تو تمہیں اس تیل کے اندر ڈال دیا جائے گا۔ جب دیکھا کہ وہ اپنی بات پر جمے ہوئے ہیں تو انہوں نے ان میں سے ایک کو اٹھا کر گرم گرم تیل میں ڈال دیا۔ ذرا تصور کیجئے کہ جب تیل گرم ہو اور اس میں گوشت ڈالا جائے تو پھر کس طرح کباب بنتا ہے اور کیا نقشہ سامنے آتا ہے۔ ان میں سے ایک جب اس طرح کباب بن گئے تو لوگوں نے دوسرے کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ جب اسے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کچھ ڈر گئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ اگر تم ہماری بات مان لو گے تو ہم تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ چلو پہلے کے ساتھ تو جو کچھ پیش آیا، وہ تو ہو گیا، اب اگر تم ہماری بات مان لو تو ہم تمہیں تیل میں نہیں ڈالیں گے۔ اس پر انہوں نے بادشاہ کو جواب دیا کہ شاید تو سمجھتا ہے کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ جیسے تو نے اس کو تیل میں ڈالا ہے اسی طرح تو مجھے بھی تیل میں ڈال دے گا، ہرگز ایسا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ میری یہ ایک ہی جان ہے، جب تم مجھے ایک دفعہ تیل میں ڈالو گے تو یہ تو ختم ہو جائے گی، کاش! کہ میرے جسم کے بالوں کے برابر میری جانیں ہوتیں، تو مجھے اتنی دفعہ تیل میں ڈالتا اور میں اتنی جانوں کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کر دیتا۔ سبحان اللہ

سب سے قیمتی دولت:۔

اس عاجز کو 1994ء میں سمرقند جانے کا موقع ملا تو جامع مسجد کلاں سمرقند میں خطبہء جمعہ دیا۔نماز جمعہ کے بعد چند نوجوان اس عاجز کے پاس آئے اور کہنے لگے،حضرت! آپ ہمارے گھر میں تشریف لے چلیں، ہماری والدہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔اس عاجز نے معذرت کر دی کہ اتنے لوگ یہاں موجود ہیں، میں ان کو چھوڑ کر وہاں کیسے جاؤں۔مفتی اعظم سمرقند اس عاجز کے ساتھ ہی کھڑے تھے۔وہ کہنے لگے،حضرت! آپ ان کو انکار نہ کریں، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا،ان کے ہاں جانا ضرور ہے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔چنانچہ ہم دوستوں سے ملاقات کر کے چل پڑے۔

راستے میں مفتی اعظم بتانے لگتے کہ ان نوجوان لڑکوں کی والدہ ایک مجاہدہ اور پکی مومنہ ہے۔ جب کیمونزم کا انقلاب آیا تو اس وقت وہ بیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔اس کے بعد اب ستر سال گزر چکے ہیں،اس طرح اس کی عمر نوے سال ہو چکی ہے۔اللہ تعالیٰ نے کیمونزم کے دور میں اتنا مضبوط ایمان دیا تھا کہ ادھر دہریت کا سیلاب آیا اور ادھر یہ نوجوان لڑکیوں کو دین پر جمے رہنے کی تبلیغ کرتی تھی۔ان سے گھنٹوں بحث کرتی اور ان کو کلمہ پڑھا کر ایمان پہ لے آتی۔ہم پریشان ہوتے کہ اس نوجوان لڑکی کی جان بھی خطرے میں ہے اور یہ دہریے قسم کے فوجی اس کی عزت خراب کریں گے اور اسے سولی پر لٹکا دیں گے۔لہٰذا ہم اسے سمجھاتے ، بیٹی! تو جوان العمر ہے، تیری عزت و آبرو اور جان کا معاملہ ہے،تو اتنا کھل کر لوگوں کو اسلام کی تبلیغ نہ کیا کر۔مگر وہ کہتی کہ میری عزت و آبرو اور جان اسلام سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔میری جان اللہ کے راستے میں قبول ہوگئی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔لہٰذا یہ عورتوں کو کھلے عام تبلیغ کرتی رہتی،حتیٰ کہ سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں دہریت سے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہوگئیں۔ہمیں اس کا ہر وقت خطرہ رہتا،سب علماء پریشان تھے کہ پتہ نہیں اس لڑکی کا کیا بنے گا؟ پتہ نہیں کونسا دن ہوگا جب اسے

سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور اس کو سارے لوگوں کے سامنے بے لباس کر کے ذلیل ورسوا کر دیا جائے گا۔ مگر یہ نہ گھبراتی ، یہ ان کو دین کی تبلیغ کرتی رہتی ۔ حتیٰ کہ اس نے ستر سال تک دین کی تبلیغ کی اور یہ ہزاروں عورتوں کے ایمان لانے کا سبب بن گئی۔ اب وہ بیمار ہے ، بوڑھی ہے اور چارپائی پر لگی ہوئی ہے۔ اس عورت کو آپ کے بارے میں کسی نے بتایا کہ پاکستان سے ایک عالم آئے ہیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ آپ سے گفتگو کرے، اس لئے میں نے کہا کہ آپ انکار نہ کریں۔

اس عاجز نے جب یہ سنا تو دل بہت خوش ہوا کہ جب وہ ایسی اللہ کی نیک بندی ہے تو ہم بھی ان سے دعا کروائیں گے۔

جب ہم ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ صحن میں ان کی چارپائی پڑی ہوئی تھی اور وہ اس پر لیٹی ہوئی تھی ۔ لڑکوں نے اس کے اوپر ایک پتلی سی چادر ڈال دی ۔ ہم چارپائی سے تقریباً ایک میٹر دور جا کر کھڑے ہو گئے ۔ اس عاجز نے جاتے ہی سلام کیا۔ سلام کرنے کے بعد عاجز نے عرض کیا ، اماں ! ہمارے لئے دعا مانگئے ۔ ہم آپ کی دعائیں لینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ جب اس عاجز نے عرض کیا تو اس نے اس چادر کے اندر ہی اپنے ہاتھ اٹھائے اور بوڑھی آواز میں سب سے پہلے یہ دعا مانگی ’’ خدایا ! ایمان سلامت رکھنا ‘‘ یقین کیجئے کہ ہماری آنکھوں سے آنسو آ گئے ۔ اس دن احساس ہوا کہ ایمان کتنی بڑی نعمت ہے کہ ستر سال تک ایمان پر محنت کرنے والی عورت اب بھی جب دعا مانگتی ہے تو پہلی بات کہتی ہے ’’ خدایا ! ایمان سلامت رکھنا ‘‘۔

ایمان کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بڑی دولت ہے جو پروردگار نے ہمیں عطا کر دی ہے ۔ اس لئے ہمیں اس کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہنی چاہئے ۔ ہم اس ایمان کو قیمتی سمجھیں اور اس کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز آئے تو اس کو ٹھوکر لگا دیں ۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس نعمت کی حفاظت مانگا

کریں کہ اے اللہ! ہمیں اس نعمت کی حفاظت کی توفیق نصیب فرما۔ جان اتنی قیمتی نہیں، عزت اتنی قیمتی نہیں بلکہ ایمان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ پر پکا ایمان رکھیں۔ ہمیں اللہ کے محبوب ﷺ نے جو کچھ بتایا، ہم اس کے اوپر پکے رہیں۔ اس سے انسان اللہ رب العزت کے مقبول بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

ایک نوجوان کی استقامت:۔

سمرقند کے اسی سفر میں ایک عالم ایک نوجوان کو اس عاجز سے ملانے کے لئے لائے اور بتایا کہ یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جو روسی انقلاب کے زمانے میں پانچ مرتبہ اذان دے کر کھلے عام نمازیں پڑھتا تھا۔ یہ سن کر اس عاجز کو حیرت ہوئی اور پوچھا، وہ کیسے؟ اس نوجوان نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ ہم نے دیکھا تو اس کی پیٹھ کے ایک ایک انچ جگہ پر زخموں کے نشانات موجود تھے۔ اس عاجز نے پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے؟

اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی۔ وہ کہنے لگا، جب میں نے پہلی مرتبہ اذان دی تو پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے اور خوب مارا۔ میں جان بوجھ کر اس طرح بن گیا جس طرح کوئی پاگل ہوتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مارتے میں اتنا ہی زیادہ ہنستا۔ ایک وقت میں کئی کئی پولیس والے مارتے مارتے تھک جاتے مگر میں اللہ کے نام پر مار کھاتے کھاتے نہ تھکتا۔ مجھے بجلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے مگر میں نے برداشت کر لئے۔ مجھے کئی کئی گھنٹے برف پر لٹایا گیا، مجھے پوری پوری رات الٹا لٹکایا گیا، مجھے گرم چیزوں سے داغا گیا، میرے ناخن کھینچے گئے مگر میں اس طرح محسوس کرواتا جیسے کوئی پاگل ہوتا ہے۔ میں جان بوجھ کر پاگلوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ پولیس والوں نے ایک سال میری پٹائی کرنے کے بعد مجھے پاگل خانے بھجوا دیا۔ وہاں بھی میں نے ایک سال اسی طرح گزارا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر نے لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص پاگل ہے، اس کا

ذہنی توازن خراب ہے، یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، یہ اپنے آپ میں ہی مگن رہتا ہے۔ لہٰذا اب اس کو دوبارہ گرفتار نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ڈاکٹر کی رپورٹ پر مجھے آزاد کر دیا گیا۔ جب میں باہر آیا تو میں نے ایک جگہ پر چھوٹی سی مسجد نما جگہ بنائی، میں وہیں دن میں پانچ مرتبہ اذانیں دیتا اور پانچ نمازیں کھلے عام پڑھا کرتا تھا۔ اس عاجز نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی　ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

یہ عاجز اس نوجوان کے چہرے کو بار بار دیکھتا اور اس کی ثابت قدمی پر رشک کرتا رہا۔

ازل سے رچ گئی ہے سربلندی اپنی فطرت میں　ہمیں کٹنا تو آتا ہے مگر جھکنا نہیں آتا

صحابہ کرامؓ کے نزدیک ایمان کی قدر:۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ایمان کی نعمت نصیب فرمائی تو انہوں نے اس کی قدر کی اور اس کی حفاظت کے لئے ہر وقت متفکّر رہتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے

تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰن ہم نے پہلے ایمان سیکھا اس کے بعد پھر ہم نے قرآن سیکھا۔

میرے دوستو! وہ ایمان جو صحابہ کرامؓ نے بدر والے دن تلواروں کے سایہ کے نیچے پایا تھا آج ہم اس ایمان کو پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کیا اس طرح ایمان مل جائے گا؟ نہیں بلکہ اس کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ دین کی خاطر جان مال اور سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے تب انسان کو ایمان کی حرات نصیب ہوتی ہے۔

وقت کی ایک اہم ضرورت:۔

یاد رکھئے کہ آج کے دور میں اتنے فتنے موجود ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں احد پہاڑ جیسا ایمان ہے وہ

بھی ایسے لرزاں اور ترساں نظر آتے ہیں جیسے انہیں ہر لمحے اپنے مرتد ہوجانے کا خوف ہو۔اور عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہے وہ اس کی حفاظت سے بھی غافل ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہمارے پاس کتنی بڑی دولت موجود ہے۔اس لئے ایمان کی اہمیت کا دل میں ہونا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

شک سے بچنے کی ضرورت:۔

کفار کی طرف سے اسلامی ملکوں میں جو تنظیمیں آتی ہیں وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں شک پیدا کردیتی ہیں۔اور شک ایک ایسی خطرناک اور بری چیز ہے جو ایمان کی بنیاد کو ہلا کے رکھ دیتی ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دعا مانگی اور شرک سے پہلے شک سے پناہ مانگی،

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ اے اللہ! میں شک سے،شرک سے،شقاق سے،نفاق سے اور برے اخلاق سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:2) کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔اب یہاں غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے لَا رَيْبَ فِيْهِ پہلے کہا اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:2) بعد میں کہا۔اس لئے کہ اگر شک رہ گیا تو ہدایت نہیں پاسکو گے۔یہی وجہ ہے کہ جو کفر کی تحریکیں چل رہی ہیں وہ ایمان والوں کے دلوں میں شک پیدا کردیتی ہیں اور شک پیدا کرنے سے ایمان ختم ہوجاتا ہے۔

ایمان کے اظہار کرنے کا طریقہ:۔

اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا آپ مؤمن ہیں تو اسے جواب دیجئے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا میں پکا مؤمن

ہوں۔اس لئے کہ یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔اس میں شک والی کیا بات ہے۔کوئی ڈھل مل بات کرنے کی ضرورت نہیں۔امام شافعیؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ انا مومن انشاء الله تو انہوں نے اپنے انجام اور خاتمے پر نظر رکھ کر بات کی ہے۔یہ علماء کا مقام ہے جب کہ ہم عوام الناس ہیں،ہمیں ایک ہی بات کرنی چاہئے کہ انا مومن حقا۔اور یہ بات کرتے ہوئے پاؤں کے نیچے چٹان ہونی چاہئے۔

مضبوط ایمان کی نشانی:۔

امام رازیؒ نے وجود باری تعالیٰ پر سو دلائل جمع کئے۔ایک مرتبہ ان کی شیطان سے ملاقات ہوگئی۔وہ شیطان سے کافی دیر مناظرہ کرتے رہے۔اس دوران انہوں نے فرمایا کہ اے ابلیس! میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑا پکا ہے تو مجھے بہکا نہیں سکتا۔ابلیس نے کہا کہ ہرگز نہیں۔یہ سامنے دیہاتی کھیت میں ہل چلا رہا ہے اس کا ایمان آپ سے زیادہ پکا ہے۔آپ نے پوچھا،وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ ابھی تماشا دیکھیں۔چنانچہ شیطان ایک اجنبی شخص کی صورت میں اس دیہاتی کے سامنے پہنچا اور کہنے لگا کہ خدا موجود نہیں ہے۔اس نے دو بڑی بڑی گالیاں دیں اور پاؤں سے جوتی نکالی کہ اس کی پٹائی کرے۔ابلیس وہاں سے بھاگا اور امام رازی سے کہنے لگا،دیکھا۔اس کا ایمان اتنا قوی ہے کہ وہ سننا گوارا ہی نہیں کرتا کہ کوئی خدا کے وجود کا انکار کرے۔مرنے مارنے پر تل گیا۔آپ سے میں نے بحث شروع کی آپ نے دلائل دینے شروع کئے۔گویا یہ بات سن لی کہ خدا موجود نہیں۔اب رہی دلائل کی بات تو میں قوی دلائل دے دوں گا تو آپ پھسل جائیں گے۔آپ کے دل میں ذرا شک پیدا ہو گیا تو آپ ایمان سے محروم ہو جائیں گے۔

ایمان جیسے چٹان:۔

یاد رکھنا، کہ جو چیزیں ہلکی ہوتی ہیں وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔ جیسے لکڑی، گھاس، تنکے، کاغذ وغیرہ۔ کیا چٹانیں بھی پانی کے ساتھ بہتی ہیں؟ نہیں، بلکہ وہ پانی کے رخ کو موڑ دیا کرتی ہیں۔ میرے دوستو! آج بے راہ روی، فحاشی اور عریانی کا دریا بہہ رہا ہے، آپ چٹان بن جائیے اس کے ساتھ بہنے کی بجائے اس کے رخ کو موڑ دیجئے۔

یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

الحمدللہ ہم مؤمن ہیں اس میں ہمارا کمال نہیں ہے بلکہ یہ اس کمال والے پروردگار کا کمال ہے کہ اس نے ہمیں یہ نعمت عطا کر دی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس نعمت پر پکے ہو جائیں اور پوری زندگی اسی ایمان کی محنت پر لگا دیں، پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی مدد اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔

قلت اور کثرت کا چکر:۔

ایمان قلت اور کثرت کو نہیں دیکھتا۔ ابھی ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ہم بہت تھوڑے ہیں، ارے تھوڑے لوگوں کا کیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢبِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:249) جب اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو اللہ رب العزت چڑیوں سے باز مروا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے تعداد اور وسائل کو نہ دیکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کو دیکھیں، جب مدد اتر آئے گی تو انشاء اللہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

اسلام اور ایمان کی کیفیت میں فرق:۔

اسلام لانے کا مطلب فرمانبرداری کے لئے تیار ہو جانا ہے۔ ایک منافق آدمی اگر ظاہراً کلمہ پڑھتا ہے تو

اس کو مسلمان کہا جاتا ہے لیکن در حقیقت وہ ایمان سے خالی ہوتا ہے۔ اسلام اور ایمان میں فقط کیفیت کا فرق ہے۔ اسلام کا تعلّق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلّق باطن سے ہے۔ جو کوئی آدمی ریا کاری یا دھوکہ دینے کی نیت سے کلمہ پڑھے تو شرع شریف میں اس کو مسلمان سمجھا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مومن نہیں ہوگا۔ جیسے کہ منافقین کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے لیکن وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرہ: 14) جب وہ اپنے شیطان دوستوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں۔

منافقین کا احسان جتلانے کا واقعہ:۔

بنو اسد نامی ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے نبی علیہ السّلام کی خدمت میں آ کر کلمہ پڑھا اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنے ایمان لانے کا احسان جتلانے لگے۔ در حقیقت وہ دل سے مسلمان ہوئے ہی نہیں تھے۔ مال دنیوی کی منفعت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا۔ لہٰذا وہ کہنے لگے کہ یہ دوسرے قبیلے والے آپ سے لڑائیاں لڑتے رہے اور بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن ہم لوگ بغیر لڑائی کے مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کامل پیدا نہیں ہوا۔ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْــًٔـا اور اگر تم اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: 14) وہ کمی نہ کرے گا تمہارے کاموں میں کچھ بھی بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ان آیات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے زبانی

دعووں کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال سے اپنے آپ کو کیا ظاہر کرتے ہیں۔ زبان سے تو ہم دوسروں کو بھی نصیحت کر رہے ہوتے ہیں لیکن ہمارے عمل سے کتنے لوگ نصیحت پاتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ